ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

دورِ حاضر کے دینی اور اخلاقی مسائل: کلام اقبال کی روشنی میں

Religious and Moral Issues of the Present Age: In The Iqbal's poetry

محمد کلیم
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، مائی یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر محمد قمر اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

Muhammad Kaleem
Ph.D Scholar, Department of Urdu, My University, Islamabad
Dr. Muhammad Qamar Iqbal
Assistant Professor, Department of Urdu, Ibadat International University, Islamabad
qamarffcb@yahoo.com

Article Details
Received:
May 30, 2026
Accepted:
June 8, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Allama Muhammad Iqbal, known as the "Poet of the East," tried to awaken the world through his poetry. He made people aware of the problems facing humanity. According to him, the greatest of these problems were religious and moral issues. He advised the Muslim Ummah to stay away from the Western way of life because he believed that the people of the West had gone astray. He warned against secularism, sectarianism, the cultural invasion of the West, and the negative trends associated with modern scientific knowledge. He also drew attention to moral values, the issue of Ijtihad (independent reasoning in Islamic law), and problems related to religious education. He emphasized that Muslims should adopt Islamic teachings in their true spirit. He presented his great concepts of Khudi (selfhood), Momin (the true believer), and Shaheen (the eagle), especially to Muslims and to the world at large. Today, his poetry has been translated into many languages around the world.

Key words: Poetry, Selfhood, True believer, religious education, Humanity, Secularism, Knowledge

عصرِ حاضر میں دنیا کو جہاں بے شمار مسائل کا سامنا ہے وہاں سب سے مسئلہ دینی اور اخلاقی مسئلہ ہے۔ اقبال نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل اس مسئلے کو اجاگر کیا اور اپنی شاعری کی بدولت نا صرف اس مسئلے کی آگاہی دی بلکہ اس سے بچنے کے لیے حل بھی پیش کیے۔ انھوں نے دینی اور اخلاقی مسائل میں سب سے بنیادی چیز لادینیت کو قرار دیا ہے۔ یہ اصطلاح برطانیہ کے ایک مصنف جارج جیکوب ہولیاک نے استعمال کی۔ اقبال کہتے ہیں کہ لادینیت کے پیروکاروں نے مذہب اور ریاست کے درمیان تفریق پیدا کر دی ہے

جس کے مطابق ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی مرضی سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اقبال نے لادینیت کے خلاف علم بلند کیا۔ ان کے خیال میں زندگی کے ہر معاملے میں مذہب انتہائی ضروری ہے کیونکہ مذہب ہی ہر معاملے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ انھوں نے بادشاہی اور جمہوری نظام میں بھی مذہب کو بنیادی حیثیت قرار دی۔ اقبال کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی (۱)

اقبال نے تعلیم کی غرض سے یورپ کا سفر کیا۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ مغرب گمراہی کے گڑھے میں گر چکا ہے۔ وہ لادینیت میں اس قدر گر چکے ہیں کہ ان کی تہذیب کھوکھلی ہو چکی ہے۔ اقبال غور کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب آہستہ آہستہ مشرق کی طرف بڑھ رہی ہے اور لوگ آنکھیں بند کر کے مغرب کی پیروی کر رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی پیروی کرنے والے یہ نام نہاد مسلمان سادہ دل لوگوں کو گمراہ کرتے ہوئے انھیں لادینیت کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے امت کو بیدار کرنے کے لیے اپنا آفاقی کلام پیش کیا۔ ان کی شاعری کا لبِ لباب بھی اہلِ مشرق کی کو مغربی تہذیب سے بچانا ہے اور اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ہے۔

اقبال کا خیال ہے کہ اگر امتِ مسلمہ نے اپنی کھوئی ہوئی تہذیبی، فکری اور روحانی شناخت کو دوبارہ زندہ نہ کیا تو وہ وقت دور نہیں جب مغربی تہذیب اور اس کے سیاسی و معاشی غلبے کے نتیجے میں مشرق اپنی انفرادی حیثیت سے مکمل طور پر محروم ہو جائے گا۔ ان کے نزدیک مغرب کی ترقی کا مقابلہ محض مادی وسائل یا عسکری طاقت سے نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے لیے مسلمانوں کو اپنی دینی، اخلاقی اور تہذیبی بنیادوں کو از سرِ نو مضبوط کرنا ہو گا۔ اقبال بارہا اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ جس قوم کے افراد اپنی تہذیب، تاریخ اور فکری ورثے سے بے تعلق ہو جائیں، وہ اپنی آزادی اور وقار بھی کھو بیٹھتی ہے۔ ایسی قومیں بالآخر دوسروں کی تہذیبی، فکری اور سیاسی غلامی قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اقبال کے نزدیک کسی بھی قوم کی اصل قوت اس کے اتحاد، اتفاق اور اجتماعی شعور میں مضمر ہوتی ہے۔ جب افراد ایک مشترکہ مقصد، نظریے اور نصب العین کے تحت متحد رہتے ہیں تو وہ ہر قسم کے داخلی اور خارجی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن جب اتحاد کی جگہ انتشار، اخوت کی جگہ عصبیت اور اجتماعی مفاد کی جگہ ذاتی مفاد لے لے تو قوم کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اقبال نے ملتِ اسلامیہ کے زوال کا ایک بڑا سبب اسی داخلی انتشار اور باہمی اختلاف کو قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام نے انسانیت کو اخوت، مساوات اور وحدت کا درس دیا تھا، مگر مسلمانوں نے ان تعلیمات سے دور ہو کر فرقہ واریت اور گروہی تعصبات کو فروغ دیا، جس کے نتیجے میں ان کی اجتماعی قوت کمزور پڑ گئی۔

اقبال اس امر پر بھی افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ جدید دنیا میں انسان نے رنگ، نسل، زبان، قومیت، جغرافیہ اور ذات پات کو اپنی شناخت کا بنیادی معیار بنا لیا ہے۔ ان مصنوعی تقسیمات نے انسانوں کے درمیان نفرت، تعصب اور دشمنی کو جنم دیا ہے، حالانکہ اسلام تمام انسانوں کو ایک ہی انسانی برادری اور بالخصوص مسلمانوں کو ایک امت قرار دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک مغربی قومیت (Nationalism) اور نسلی تفاخر نے انسان کو انسان سے جدا کر دیا ہے اور عالمِ اسلام کی وحدت کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسلامی اخوت کو ہر قسم کے نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات پر فوقیت دیتے ہیں اور مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند متحد ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ اقبال اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جدید سرمایہ دارانہ اور استعماری نظام نے افراد کو باہمی تعاون کے بجائے شدید مسابقت اور خود غرضی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ اس نظام میں ہر شخص اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے دوسروں کے حقوق

پامال کرنے میں تامل محسوس نہیں کرتا۔ انصاف، دیانت، ایثار اور اجتماعی فلاح جیسے اخلاقی اصول کمزور پڑتے جا رہے ہیں، جبکہ مادہ پرستی اور مفاد پرستی غالب آتی جا رہی ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ صورتِ حال اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے، کیونکہ اسلام عدل، مساوات، اخوت اور حقوق العباد کے تحفظ کو ایک مثالی معاشرے کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

اقبال اپنی تنقید کا رخ مذہبی طبقے کی بعض کمزوریوں کی طرف بھی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک علماء کا اصل منصب امت کی دینی، اخلاقی اور فکری رہنمائی، اتحاد اور اصلاح ہے، لیکن جب علمِ دین ذاتی مفادات، مسلکی عصبیت اور گروہی برتری کا ذریعہ بن جائے تو اس کے نتائج نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں مذہبی اختلافات شدت اختیار کر لیتے ہیں اور امت مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس تقسیم کا نقصان صرف مذہبی سطح تک محدود نہیں رہتا بلکہ معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی زندگی بھی اس سے متاثر ہوتی ہے۔

اقبال مذہبی انتہا پسندی، فرقہ واریت اور مسلکی تعصب کو ملتِ اسلامیہ کی کمزوری کا ایک اہم سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب دین کا حقیقی پیغامِ محبت، رواداری، اخوت اور اعتدال پسندی پسِ پشت چلا جائے تو معاشرے میں نفرت، تشدد اور عدم برداشت فروغ پانے لگتے ہیں۔ نتیجتاً مسلمان ایک دوسرے کے حریف بن جاتے ہیں اور ان کی اجتماعی قوت منتشر ہو جاتی ہے۔ اقبال اس صورتِ حال سے نجات کے لیے قرآن و سنت کی اصل تعلیمات، اتحادِ امت، فکری بیداری، اجتہادی شعور اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہی وہ راستہ ہے جو ملتِ اسلامیہ کو دوبارہ عزت، وقار، استحکام اور عالمی قیادت کے منصب تک پہنچا سکتا ہے۔ اقبال اپنی نظم "جوابِ شکوہ" میں کہتے ہیں:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں (۲)

اقبال کے خیال میں دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ فرقہ واریت ہے۔ دورِ حاضر میں افراد کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے انھیں پہلے فرقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور پھر ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا جاتا ہے۔ اقبال امت کو خودی کا درس دیتے ہیں۔ وہ فرد کو اپنی ذات کی حقیقت جاننے پر زور دیتے ہیں۔ انھوں نے بحیثیت انسان افراد کو ان کا مقصد سمجھانے کی بھرپور سعی کی اور دنیا کو بتایا کہ خودی کی تربیت دراصل اتحاد و اتفاق میں پوشیدہ ہے۔ پروفیسر محمد منور "میزان اقبال" میں کہتے ہیں۔

> "علامہ اقبال کا نصب العین انسان احسنِ تقویم کی صحیح مثال ہے۔ سختی کی جگہ سختی نرمی کے موقع پر نرمی، جگرِ لالہ کے لیے ٹھنڈک، دریاؤں کے لیے طوفان، کوہ و بیاباں کے لیے سیل و تندرو، گلستان کے لیے جوئے نغمہ خواں، بزمِ انس میں ابریشم، رزمِ حق و باطل میں فولاد۔ یہی اسلام کی روح ہے اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے"۔ (۳)

اقبال کے خیال میں افراد کی انفرادی محنت کی بدولت قومیں ترقی کرتی ہیں۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ افراد اتحاد و اتفاق کے ساتھ عمل کی راہ پر گامزن ہوں تو منزل ان کے قریب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی فرد یہ سوچے کہ اس اکیلے کی محنت کو ان کو کوئی صلہ نہ دے گی تو یہ ایک منفی اور فضول سوچ ہے۔ ان کے خیال میں کسی قوم کی ترقی کا دارومدار اخلاقی اقدار پر ہوتا ہے۔ انھوں نے اخلاقی اقدار کی بنیاد خودی کو قرار دیا اور یہ خودی کا تصور قرآن مجید کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ اس تصور کے مرکزی مآخذ انسان، خدا

اور کائنات ہیں۔ ان کے نزدیک جب انسان اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے اور حرکت و عمل کو اپنا شعار بنالیتا ہے تو کامیابی حاصل کرتا ہے۔ عرفان رشید "علامہ اقبال کی شاعری میں آفاقی پیغام" میں کہتے ہیں۔

> "جب بھی کوئی قوم جمود و تعطل کا شکار ہوتی ہے تو اسے خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی مسیحا ضرور جنم لیتا ہے۔ اقبال نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت پورا ایشیا فکری اور عملی جمود سے جھول رہا تھا۔ علامہ اقبال نے شاعری کو وسیلہء اظہار بنا کر اس جمود کو توڑنے کی کامیاب کوشش کی"۔(۴)

اقبال نے اسلامی اقدار کو فرد اور معاشرے دونوں کی نجات کا واحد مؤثر راستہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام محض چند مذہبی رسومات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو انسان کی فکری، روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی کو متوازن اور بامقصد بناتا ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جب انسان قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا محور بناتا ہے تو اس کی شخصیت میں استحکام، اعتماد، اخلاص، جرات اور خودداری جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ یہی اسلامی اقدار انسان کو مادیت، خود غرضی، منافقت اور اخلاقی انحطاط سے محفوظ رکھتی ہیں اور اسے حقیقی کامیابی سے ہم کنار کرتی ہیں۔ اقبال کی فکر کا بنیادی تصور **خودی** ہے۔ ان کے نزدیک خودی انسان کے اندر ودیعت وہ الٰہی جوہر ہے جس کی تربیت اور نشوونما ہی اس کی اصل منزل ہے۔ خودی کی تعمیر اطاعتِ الٰہی، عشقِ رسول ﷺ، مسلسل جدوجہد، علم، عمل، یقینِ محکم اور اعلیٰ اخلاقی کردار سے ہوتی ہے۔ جب انسان ان مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزرتا ہے تو اس کی شخصیت میں وہ پختگی پیدا ہوتی ہے جسے اقبال **مردِ مومن** کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔ مردِ مومن اقبال کا وہ مثالی انسان ہے جو ظاہری طاقت یا مادی وسائل کے بجائے اپنے ایمان، کردار، بصیرت اور عمل کی قوت سے دنیا میں انقلاب برپا کرتا ہے۔

اقبال کے نزدیک مردِ مومن اللہ تعالیٰ پر کامل توکل رکھنے والا، باکردار، بے خوف، صاحبِ بصیرت اور بلند ہمت انسان ہوتا ہے۔ وہ زمانے کے حالات کا غلام نہیں بنتا بلکہ اپنے کردار اور عمل سے حالات کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی لیے اقبال نے مردِ مومن کی قوتِ عمل کو اس قدر مؤثر قرار دیا ہے کہ اس کی نگاہ، اس کے ارادے اور اس کے عزم سے دنیا اور کائنات میں مثبت تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ اس کے فیصلے ذاتی مفادات کے بجائے حق، عدل اور انسانیت کی فلاح پر مبنی ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرے میں خیر، امن اور انصاف فروغ پاتا ہے۔ اقبال اس حقیقت پر بھی زور دیتے ہیں کہ جب بندہ اپنی خودی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کر دیتا ہے تو اس کے اعمال میں الٰہی تائید شامل ہو جاتی ہے۔ ایسی شخصیت کو اللہ تعالیٰ استقامت، بصیرت اور قوتِ فیصلہ عطا فرماتا ہے، جس کی بدولت وہ مشکلات اور آزمائشوں کے باوجود اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ وہ کسی باطل قوت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا، نہ ہی دنیاوی مفادات یا مادی وسائل کی خاطر اپنے اصولوں پر سمجھوتا کرتا ہے۔ اس کا اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے، اسی لیے وہ غیر اللہ کی غلامی اور محتاجی سے آزاد رہتا ہے۔

اقبال کے نزدیک اسلامی اقدار سے آراستہ مردِ مومن ہی درحقیقت امتِ مسلمہ کی قیادت کا اہل ہے، کیونکہ وہ اپنے کردار، اخلاص، علم اور عمل سے معاشرے کی اصلاح کرتا ہے۔ یہی شخصیت ظلم، استبداد، ناانصافی اور فکری غلامی کے خلاف ڈٹ کر کھڑی ہوتی ہے اور انسانیت کو عزت، آزادی اور خودداری کا پیغام دیتی ہے۔ اس طرح اقبال کی نظر میں اسلامی اقدار محض انفرادی نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک ایسے عادل، متوازن اور باوقار معاشرے کی تشکیل کی بنیاد بھی ہیں، جہاں انسان اپنی حقیقی انسانی اور روحانی عظمت کو پہچان کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اقبال اپنی نظم "مسجدِ قرطبہ" میں اس انداز سے کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں ، کارکشا ، کارساز (۵)

اقبال ایک آفاقی شاعر ہونے کی حیثیت سے صرف مسلمانوں سے مخاطب نہیں بلکہ وہ پوری دنیا سے مخاطب ہوتے ہیں۔ انھوں نے عمومی طور پر دنیا میں مسلمانوں کے زوال کو سامنے رکھ کر اس کی وجوہات کو تلاش کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انسان کے اخلاق انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہی اخلاق انسان کو یا تو انسانیت سے گرا دیتے ہیں یا بلندی کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی اقدار کی بدولت نہ صرف اس دنیا میں کامیابی حاصل کرتے ہیں بلکہ اخروی زندگی کی کامیابی کا دارومدار بھی اسی پر ہے یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ایک تباہ حال قوم کو ان کے مقصد کی طرف توجہ دلائی تو وہ قوم دنیا میں کامیاب ہوئی۔ اقبال آزاد منش اور امن پسند انسان تھے۔ انھوں نے اسلام کے اصل تصور امن پسندی کو اجاگر کیا۔ انھوں نے مرد مومن کو ہمیشہ ظلم و جبر کے خلاف تلواریں بے نیام رکھنے کا درس دیا۔ اکثر مغربی مفکرین انہیں عسکریت پسند کہتے ہیں لیکن اقبال کے کلام سے ان اعتراضات کا جواب مل جاتا ہے کہ اقبال امن اور سلامتی کے لیے دنیا میں ظالم، جابر اور استبدادی قوتوں کے خلاف برسرپیکار رہنے کا سبق دیتے ہیں۔ انھوں نے دنیا میں بدامنی و فساد کو ختم کرنے کے لیے جہاد کی ترغیب دی۔ "طلوعِ اسلام" کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

یقیں محکم ، عمل پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں (۶)

اقبال کے خیال میں مغربی دنیا نے جہاد کی مخالفت کی اور اسے دہشت گردی کا نام دے دیا۔ وہ حیلے بہانوں سے اہلِ اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ دنیا سے جہاد کے نام لیوا ختم ہو جائیں لیکن انھیں یہ معلوم نہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ دنیا نے جہاد کے حقیقی معنوں کو بدل کر رکھ دیا ہے امتِ مسلمہ کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے آج اغیار ان پر غالب آ چکے ہیں۔ مردِ مومن جو کبھی شان و شوکت سے جیا کرتا تھا آج اس سے دوبارہ اس کی پہچان کرانے کی ضرورت ہے۔ اقبال کے مرد مومن کے حوالے سے قاضی عبید الرحمن ہاشمی کہتے ہیں:

> "مردِ مومن تکمیل انسانیت کے مرحلے میں ان منازل کو عبور کرتا ہے جسے قلندری اور درویش یا جذب و مستی سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ علامتیں اقبال کے متصوفانہ وجدان کی تقسیم میں بھی معاون ہو سکتی ہیں"۔(۷)

اقبال امتِ مسلمہ کو جہاد کی اہمیت بتاتے ہوئے انہیں عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں کہ کس طرح تمھارے اسلاف نے اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کر کے دکھا دیا۔ انھوں نے دنیا کو امن کی راہ دکھائی لیکن آج افراد امن کے راستے سے ہٹ چکے ہو اور اپنے اصل مقصد کو بھول چکے ہیں۔ مغرب کی ظاہری چمک دمک نے اہلِ اسلام کو اپنے دین سے دور کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمان بے یار و مددگار نظر آتے ہیں۔ اقبال انھیں دوبارہ عمل کی دعوت دیتے ہیں تاکہ اپنی کھوئی ہوئی میراث دوبارہ حاصل کر سکیں۔

اقبال سمجھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ اجتہاد سے دور ہو کر فرقہ واریت میں مبتلا ہو چکی ہے۔ ہر شخص خود کو مسلمان اور دوسرے کو کافر گردانتا ہے۔ مغربی دنیا ان کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر انہیں بے دینی کی طرف دھکیل رہی ہے۔ آج کا مسلمان روشن خیالی کی آڑ میں

دین سے دور ہوتا جارہا ہے۔ اقبال کے خیال میں اسلامی فقہ کے بعد جیسے اتحاد کا دروازہ بند ہو کر رہ گیا ہو۔ افراد نے اجتہاد کو گناہ سمجھنا شروع کر دیا ہے لیکن ہر دور میں اجتہاد کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اقبال اپنی نظم اجتہاد میں کہتے ہیں۔

حلقۂ شوق میں وہ جراتِ اندیشہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق (۸)

اقبال کے خیال میں آج افرا تفری کے دور میں افراد مذہب سے عاری نظر آتے ہیں۔ اتحاد و اتفاق ختم ہو چکا ہے۔ کوئی انسان سچ بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ اجتہاد تو بہت دور کی بات ہے یہ امت بنیادی مآخذ قران و حدیث پر ہی متفق نظر نہیں آتے۔ لوگ اپنی مرضی سے دین کی تشریح کر رہے ہیں اور اپنی مرضی ہی سے زندگی گزار رہے ہیں۔ اپنے آپ کو بدلنے کی بجائے تشریح و تفسیر کو بدل کر اپنے حق میں فیصلے کرتے ہیں۔ اقبال رائے دیتے ہیں کہ اہلِ اسلام کے لیے ضروری ہے کہ عالمی سطح پر ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی جائے جو کہ تمام فیصلے کرے اور اس میں کسی قسم کی جانب داری نہ ہو اس کے علاوہ وہ ریاست کے اداروں کو بھی اجتہاد کی دعوت دیتے ہیں۔ انھوں نے اجتہاد کو صرف مذہبی معاملات کے لیے ہی کارآمد قرار نہیں دیا بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اتحاد کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے خیال کے مطابق فقہ کو شریعت کے تابع ہونا چاہیے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ شریعت فقہ کے تابع ہو۔ اس کے علاوہ جدید دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر اجتہاد کے اشد ضرورت ہے کیوں کہ اجتہاد ایک مسلسل عمل کا نام ہے۔

اقبال تہذیبِ حاضر اور جدید مادی ترقی کے بعض مظاہر کو ریاکاری، تصنع اور اخلاقی زوال کی بنیادی وجوہات قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جدید تہذیب نے انسان کو بظاہر ترقی، آسائش اور سہولتیں تو فراہم کی ہیں، لیکن اس کے باطن سے اخلاص، دیانت، صداقت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو بڑی حد تک ختم کر دیا ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ دور کا انسان اپنی اصل شخصیت سے زیادہ اپنی مصنوعی شخصیت کو نمایاں کرنے میں مصروف ہے۔ ہر فرد دوسروں پر اپنی برتری ثابت کرنے، اپنی حیثیت اور مقام کا اظہار کرنے اور معاشرے میں اپنی جھوٹی ساکھ قائم رکھنے کے لیے مختلف قسم کی ریاکاری اور بناوٹ کا سہارا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قول و فعل کا تضاد آج کے انسان کی ایک نمایاں شناخت بنتا جارہا ہے۔

اقبال کے نزدیک منافقت محض ایک انفرادی اخلاقی کمزوری نہیں بلکہ یہ اجتماعی، سماجی، سیاسی اور تہذیبی زندگی کا بھی ایک خطرناک المیہ بن چکی ہے۔ اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے افراد عوام سے بڑے بڑے وعدے کرتے ہیں، انصاف، مساوات، ترقی اور خوش حالی کے خوش نما نعرے لگاتے ہیں، لیکن عملی میدان میں ان کے اعمال ان دعوؤں کی نفی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی کامیابیوں کا چرچا تو بہت کرتے ہیں، مگر ان کے پس پردہ ذاتی مفادات، اقتدار کی ہوس، سرمایہ داری کی تقویت اور عوامی استحصال جیسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ اس طرح ظاہری چمک دمک اور ترقی کے دعوے حقیقت سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔ اقبال اس رویے کو جدید تہذیب کی سب سے بڑی اخلاقی خرابی قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس سے معاشرے میں اعتماد، اخوت اور انصاف کی بنیادیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔

اقبال کے نزدیک جدید مغربی تہذیب نے انسان کو مادیت کی طرف اس قدر مائل کر دیا ہے کہ روحانی اقدار، مذہبی شعور اور اخلاقی ذمہ داری کا احساس پس منظر میں چلا گیا ہے۔ دولت، طاقت، شہرت اور ذاتی مفاد زندگی کا مقصد بن گئے ہیں، جبکہ انسانیت، محبت، ایثار، اخوت اور عدل جیسی اقدار رفتہ رفتہ اپنی اہمیت کھوتی جارہی ہیں۔ اقبال اس صورتِ حال کو تہذیبی بحران سے تعبیر کرتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب تک انسان اپنی روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو مضبوط نہیں کرے گا، اس کی تمام مادی ترقی بے معنی اور عارضی ثابت ہوگی۔ بالخصوص ملتِ اسلامیہ کے زوال نے اقبال کو گہری تشویش میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان

جن اوصاف کی بدولت کبھی دنیا کی امامت کے منصب پر فائز تھے، ان سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اخلاص کی جگہ مفاد پرستی، اتحاد کی جگہ انتشار، عمل کی جگہ گفتار، اور غیرت و خودداری کی جگہ غلامانہ ذہنیت نے لے لی ہے۔ اقبال کو اندیشہ تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی حقیقی اسلامی تعلیمات، اخلاقی اقدار اور روحانی سرمائے سے دوبارہ رشتہ استوار نہ کیا تو ان کا مستقبل مزید تاریک ہو جائے گا۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی نجات نہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید میں ہے اور نہ ہی محض ماضی کے کارناموں پر فخر کرنے میں، بلکہ قرآنِ حکیم کی تعلیمات، عشقِ رسول ﷺ، خودی کی تعمیر، مسلسل جدوجہد اور اجتہادی فکر کو اپنانے میں مضمر ہے۔

اسی تناظر میں اقبال اپنی شاعری کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو بیداری، خود اعتمادی، کردار سازی اور فکری آزادی کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ظاہری نمود و نمائش، منافقت اور ریاکاری کو ترک کر کے اخلاص، صداقت اور عملی زندگی کو اپنا شعار بنائیں۔ ان کے نزدیک حقیقی ترقی وہی ہے جو انسان کی روح، کردار اور معاشرے کو سنوارے، نہ کہ صرف مادی وسائل اور ظاہری کامیابیوں میں اضافہ کرے۔ اسی لیے اقبال کی فکر میں تہذیبِ حاضر پر تنقید محض مخالفت نہیں بلکہ ایک ایسی اصلاحی دعوت ہے جس کا مقصد انسان کو اس کی حقیقی روحانی اور اخلاقی منزل سے آشنا کرنا ہے۔

> "ملتِ اسلامیہ کی موجودہ حالت ہے وہ اقبال کی نظر سے اوجھل نہیں۔ اس کے اندر مرور ایام سے جو عیوب پیدا ہو گئے اس کے عقائد میں اب فساد ہے اس کے اعمال میں اب جو اختلال و انتشار ہے اس کا دردناک احساس اقبال کے اشعار میں جابجا ملتا ہے"۔(۹)

اقبال دیکھتے ہیں کہ آج کا نوجوان آزادی پر خوشیاں مناتا نظر آتا ہے حالانکہ یہ آزادی نہیں بلکہ غلامی ہے۔ آج کا مسلمان مغرب کا غلام نظر آتا ہے۔ بظاہر تو وہ دینی جذبہ رکھتا ہے ہاتھوں میں تسبیح ہوتی ہے لیکن ان کے دل میں یہی ہوتا ہے کہ وہ کون سا وقت ہو کہ وہ لندن پہنچ جائے اور اس آزادی سے چھٹکارا حاصل کر کے لندن کی رنگینیوں میں کھو جائے۔ اقبال اپنی نظم "نصیحت" میں کچھ اس انداز سے کہتے ہیں:

تو بھی شیوۂ اربابِ ریا میں کامل
دل میں لندن کی ہوس لب پہ ترے ذکرِ حجاز (۱۰)

اقبال خیال کرتے ہیں کہ آج ظاہر بینی میں ہر شخص مبتلا نظر آتا ہے۔ یہ زہر نہ صرف دنیاوی کاموں میں داخل ہو چکا ہے بلکہ دینی کاموں میں بھی شامل ہے۔ لوگ دکھاوے کے لیے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں یعنی اسلام کے بنیادی ارکان میں بھی دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ اقبال کے خیال میں ضرورت ہے کہ آج ہر فرد اپنی ذات کا محاسبہ کرے اور آخرت کو ذہن میں رکھ کر اعمال کرے تاکہ دنیاوی اور اخروی زندگی دونوں میں کامیابی حاصل ہو۔

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۲۴ء، ص:۳۷۸

۲۔ ایضاً۔ ص:۲۲۹

۳۔ محمد منور، پروفیسر، میزانِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص:۱۷

۴۔ عرفان رشید، علامہ اقبال کی شاعری میں آفاقی پیغام (مقالہ)، یونیورسٹی آف کشمیر، ۲۰۲۲ء ص:۳۱
۵۔ کلیاتِ اقبال، ص:۴۲۱
۶۔ ایضاً۔ ص:۳۰۲
۷۔ قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی، شعریاتِ اقبال، سفینۂ ادب پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص:۸۷
۸۔ کلیاتِ اقبال، ص:۵۳۴
۹۔ عبد الحکیم، خلیفہ، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال ل، اہور، ۱۹۸۸ء، ص:۱۴۴
۱۰۔ کلیاتِ اقبال، ص:۲۰۴

References in Roman Script:

1. Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal Urdu, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2024, p. 378.
2. Ibid., p. 229.
3. Professor Muhammad Munawwar, Mizan-e-Iqbal, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1981, p. 71.
4. Irfan Rasheed, Allama Iqbal Ki Shairi Mein Aafaqi Paigham (Maqalah), University of Kashmir, 2022, p. 31.
5. Kulliyat-e-Iqbal Urdu, p. 421.
6. Ibid., p. 302.
7. Qazi Ubaid ur Rahman Hashmi, Shairiyat-e-Iqbal, Safina-e-Adab Publications, Lahore, 1986, p. 87.
8. Kulliyat-e-Iqbal Urdu, p. 534.
9. Abdul Hakim Khalifa, Fikr-e-Iqbal, Bazm-e-Iqbal, Lahore, 1988, p. 144.
10. Kulliyat-e-Iqbal Urdu, p. 204.